R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت

جلد ۲۵ - شمارہ ۱۸ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ رمئی ۱۹۶۶ء

اداریہ

ہندی اور انگریزی میں اردو کا کیس

اردو کے حقوق کے متعلق اردو پریس میں تمام ضروری باتیں آچکی ہیں اور اردو داں طبقہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کہاں کہاں ان حقوق کی پامالی ہوئی ہے، مگر ابھی تک ہندی اور انگریزی میں اس سلسلے میں مناسب اقدامات نہیں کیے گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اردو دوست ہندی اور انگریزی کے اخباروں میں اردو کے حقوق کی پامالی کے متعلق مضامین لکھیں۔ یہ دور اعداد و شمار کا دور ہے۔ ان مضامین میں اردو کے کیس کو دلائل و براہین کے ساتھ پیش کرنا چاہیے۔ آندھرا پردیش میں جب انجمن کی شاخ نے اردو کو بھی سرکاری حیثیت دینے کے لیے مہم چلائی تو انگریزی میں اردو کا کیس تیار کرا کے اس کی وسیع پبلسٹی کی۔ اس سے بہت فائدہ ہوا۔ کبھی کبھار انگریزی کے اخباروں میں اردو کے سلسلے میں مضامین نکلتے ہیں۔ فراق نے مضامین کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ خاصا مفید ثابت ہوا۔ مگر یہ کافی نہیں۔ علمی و تہذیبی نقطۂ نظر سے مضامین کے علاوہ ایسے مضامین بھی ہونے چاہئیں جن میں اعداد و شمار کے ذریعہ سے یہ واضح کیا جا سکے کہ اردو کی تعلیم یا چلن کے سلسلے میں خاص خاص رکاوٹیں کون کون سی ہیں اور کس طرف سے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مرکزی حکومت نے اگرچہ ہمارا بنیادی مطالبہ کہ اردو کو ان ریاستوں میں جہاں اردو داں حضرات کی معقول تعداد ہے سرکاری حیثیت سے تسلیم کیا جائے، ابھی نہیں مانا، مگر مرکزی حکومت لسانی اقلیتوں کے کمشنر کے ذریعہ سے ہمارے راستے میں دشواریوں کو دور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر بعض ریاستی حکومتیں خصوصاً وہ جن میں ہندی سرکاری زبان ہے، اس معاملے میں انصاف نہیں کر رہی ہیں۔ اتر پردیش کی حکومت کا رویہ تو خصوصاً بے پروائی اور بے نیازی کا ہے۔ اس کے کان پر تو جوں بھی نہیں رینگتی۔ ظاہر ہے کہ حکومت اپنی اکثریت پر نازاں ہے۔ لیکن ہم کوشش کریں تو اس اکثریت کی ناواقفیت یا عصبیت کو دور کر سکتے ہیں۔ یہ اکثریت انگریزی کے اخبار نہیں دیکھتی، لیکن ہندی کے اخبار ضرور پڑھتی ہے اس لیے ہمارا پہلا فرض ہے کہ ان اخباروں میں اردو کا کیس پیش کریں۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیں بہت سے مخالف مضامین سے بھی سابقہ پڑے، لیکن ان مخالف مضامین کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے اور دلائل و براہین کے ساتھ ان کے اعتراضات کو رد کرنا چاہیے۔ انجمن ترقی اردو ہند، ہندی اور انگریزی میں چھوٹے چھوٹے رسالے تیار کرا رہی ہے۔ ان سے بھی ہندی اور انگریزی جاننے والوں کو متاثر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ہندی اور انگریزی پریس میں، بلکہ دوسری علاقائی زبانوں کے پریس میں بھی اردو کے کیس کو مضامین اور ایڈیٹر کے نام خطوط کے ذریعہ سے پیش کرنا چاہیے۔ یہ بھی کوشش کرنا چاہیے کہ ان اخباروں میں اردو دوستوں کے نمائندہ جلسوں کی روداد یں چھپیں۔ اگلے سال عام انتخابات ہونے والے ہیں۔ رائے عامہ کو متاثر کرنے کا یہ بڑا اچھا موقع ہے۔ جمہوریت میں دیر ہوتی ہے مگر اندھیر زیادہ عرصہ تک نہیں ہو سکتا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم سنجیدگی کے ساتھ قومی نقطۂ نظر سے جمہوریت پر بھروسہ کرتے ہوئے ملک کے عوام کو بتائیں کہ اردو کے ساتھ بے انصافی کس طرح ہو رہی

اس شمارے میں

ترقی رکھتی ہے اور کس طرح قومی یک جہتی کا خون ہوتا ہے۔

سروش طباطبائی بھی چل بسے

لکھنؤ کے ایک خط سے سروش طباطبائی کے انتقال کی جانکاہ خبر ملی۔ کچھ عرصہ ہوا ان سے ملاقات ہوئی تھی تو دل کے عارضے کی وجہ سے کمزور معلوم ہوتے تھے، مگر یہ خیال ہوا تھا کہ اب وہ خطرے سے باہر ہو گئے ہیں۔ مگر اچانک پھر حملہ ہوا اور اب کے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ سروش بہت اچھے شاعر اور بڑی پاکیزہ شخصیت کے آدمی تھے۔ کام مالیات بلکہ حسابات کی جانچ کا کرتے تھے، مگر شاعری ایسی رچی ہوئی، پُرکیف اور پُراثر تھی کہ حیرت ہوتی تھی۔ بڑی شگفتہ اور باغ و بہار طبیعت پائی تھی، ابھی ان کے مرنے کے دن کہاں تھے، مگر کارکنانِ قضا و قدر کی مرضی میں کس کو دخل ہے۔ ادارہ "ہماری زبان" اس ممتاز شاعر اور قابلِ قدر انسان کی موت پر سوگوار ہے۔

سروش طباطبائی کا انتقال

لکھنؤ۔ ۳ مئی۔ اردو کے خوش گو شاعر اور شہر کے قدیم خاندان کے فرد مرزا محمد آغا سروش طباطبائی کا آج صبح حرکتِ قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر تقریباً ۵۵ سال تھی۔

سروش طباطبائی جو نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی کے حقیقی بھانجے تھے، ریاستی حکومت کے شعبۂ لوکل فنڈس اکاؤنٹس میں ایک عہدیدار تھے۔ مرحوم کے پس ماندگان میں دو بیٹیاں اور ایک لڑکا ہے جو یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم ہے۔

مرحوم کو جو عارضۂ قلب کے مریض تھے تین روز قبل قلبی دورہ پڑا تھا اور انھیں بلرام پور ہسپتال میں داخل کر دیا گیا تھا جہاں آج ۸ بجے صبح سو برس ان کا انتقال ہو گیا۔ رشتہ داروں اور دوستوں کے ایک بڑے مجمع کے ساتھ دو بجے دن کو ان کی میت تالکٹورہ کی کربلا میں دفن کی گئی۔

سروش صاحب تقریباً چالیس سال سے شاعری کر رہے تھے اور شعرائے لکھنؤ میں ان کی نمایاں جگہ تھی۔ (قومی آواز، لکھنؤ)

قومی کتابوں کا میلہ

یونیسکو کی طرف سے گرانٹ

نئی دہلی۔ ۲۲ اپریل۔ اقوام متحدہ کے تعلیمی سائنسی اور ثقافتی ادارے (یونیسکو) کی طرف سے ۲۸۰۰۰ روپے کی گرانٹ منظور کی گئی ہے۔ تاکہ اس رقم سے بھارت میں نومبر ۱۹۶۶ء کے دوران نامور ناشرین اور بک سیلروں کے تعاون سے کتابوں کا ایک میلہ منعقد کیا جا سکے۔

یونیسکو نے یہ امداد سال ۶۶-۱۹۶۵ء کے لیے اپنے مطابقتی امداد کے پراجیکٹ کے تحت دی ہے۔ اسی پراجیکٹ کے تحت یونیسکو نے کتابوں کی تیاری اور تقسیم کے ایشیائی ماہرین کا ایک اجلاس طلب کیا ہے۔ یہ اجلاس ٹوکیو میں ۲۵ مئی سے ۳۱ مئی تک ہوگا۔ (دعوت۔ دہلی)

ملک میں دس ہزار اخبارات و رسائل

نئی دہلی۔ یکم مئی۔ رجسٹرار برائے اخبارات نے وزارت اطلاعات و نشریات کو اپنی دسویں سالانہ رپورٹ میں لکھا ہے کہ ملک میں اخبارات اور رسائل کی تعداد دس ہزار سے زائد ہے۔ یہ رپورٹ جو تمام ملک کے اخبارات اور رسائل کے پبلشروں سے موصول شدہ اطلاعات پر مبنی ہے۔ دوسری چیزوں کے علاوہ سرکولیشن میں جھکاؤ، عام ملکیت اور پریس میں حق فروخت کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ (سیاست جدید کانپور)

وِسکانسن یونیورسٹی امریکہ میں ڈاکٹر داؤد رہبر کا تقرر

امریکہ کی وسکانسن یونیورسٹی کے شعبۂ علوم ہند میں اردو اور اسلامیات کورس دینے کے لیے ڈاکٹر داؤد رہبر کا تقرر ہوا ہے۔ موصوف پاکستان کے شہری ہیں اور پروفیسر محمد اقبال مرحوم کے صاحبزادے ہیں جو اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل تھے اور پروفیسر محمود شیرانی کے ساتھیوں میں تھے۔ ڈاکٹر رہبر کیمبرج یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں اور اس سے پہلے ترکی میں معلم رہ چکے ہیں۔ (شوکت زیدی)

علاقائی زبانوں میں قوانین کا ترجمہ

نئی دہلی۔ ۲۶ اپریل۔ سرکاری زبان (لیجسلیٹو) کمیشن سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ علاقائی زبان میں جتنے زیادہ سے زیادہ قوانین کا ترجمہ کر سکیں کریں۔ اس غرض سے بہت سے لوگوں کا تقرر بھی کیا گیا ہے کہ وہ مختلف زبانوں میں قوانین کا ترجمہ کریں۔ ابھی آسامی اور گجراتی زبان میں ترجمے کے لیے کوئی آدمی مقرر نہیں کیا گیا ہے۔

یہ بات آج لوک سبھا میں مسٹر سی۔ آر۔ پٹابھی رامن وزیر ریاست برائے قانون نے ایک سوال کے جواب میں کہی۔ انھوں نے بتایا کہ دس قانون اب تک ہندی زبان میں ترجمہ کیے جا چکے ہیں اور کچھ کا ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ (قومی آواز، لکھنؤ)

مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان کی فہرست شائع ہو گئی

کراچی۔ کل پاکستان انجمن ترقی اردو کے کتب خانۂ خاص میں اردو، فارسی اور عربی کے دو ہزار سے زائد نادر مخطوطات ہیں۔ ان مخطوطات کی وضاحتی فہرست مرتب کی جا رہی ہے۔ پہلی جلد شائع ہو گئی ہے جس میں ۵۰۰ مخطوطات پر وضاحتی حواشی ہیں۔ ہر مخطوطے کا تفصیلی مطالعہ کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ متعلقہ مخطوطے کے دیگر نسخے کہاں کہاں موجود ہیں۔ آخر میں کتب خانے کے تمام اردو مخطوطات کی مکمل اجمالی فہرست بھی دی گئی ہے۔ اس فہرست کو افسر صدیقی امروہوی اور سید سرفراز علی رضوی نے مرتب کیا ہے۔ (کتابی دنیا، کراچی)

محمد انصار اللہ نظر

رسالۂ افشائے اسرار فریمسن (Freemason)[1]

تیرھویں صدی ہجری میں اٹلی سے فریمسن تحریک کا آغاز ہوا، اور اس نے رفتہ رفتہ بین الاقوامی شہرت بلکہ مقبولیت حاصل کر لی۔ اودھ اخبار کے مضمون نگار کے بیان کے مطابق عیسائی یہودی اہل کتاب اور اہل اسلام اس تحریک یا مذہب میں شامل ہو سکتے تھے لیکن اہل ہنود اور عورت خواہ کسی قوم یا مذہب کی ہو شامل نہیں ہو سکتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی اکثریت میں اس تحریک کو فروغ نہ ہو سکا البتہ چونکہ اس وقت صاحب اقتدار طبقہ حلقہ بگوش اسلام تھا اس لیے اس تحریک کے اثرات دور رس تھے، دلچسپ بات یہ تھی کہ اس تحریک کے بنیادی اصول و ضوابط اور طریقۂ کار کو اس طرح صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا کہ مدتوں یہ عقدۂ لاینحل بنا رہا۔ اس کے اسباب دو بتائے جاتے ہیں۔

"ایک وہ کہ آدمی بعد فریمسن ہو جانے کے بخوف ہمزاد شیطان مجسم کے ہر وقت تیغ برہنہ بکف سر پر کھڑا نظر آتا ہے اظہار حال کا کر نہیں سکتا کہ بیم قتل کا یقینی جانتا ہے اور غیر فریمسن جو کچھ حال بالائی ادھر ادھر سے دریافت کر کے بے محابا کہنے لگتا ہے اس کے سب فریمسن لوگ دشمن جان ہو جاتے ہیں اور تا امکان کسی حیلہ و بہانہ و دغا و فریب سے اس کے قتل اور ضرر جان میں دریغ نہیں کرتے" (دیباچہ رسالہ)

اس سربستہ راز کے افشا کی متعدد لوگوں نے اپنے طور پر کوششیں کیں۔ "دبیر الانشا منشی محمد ظہیر الدین خان بہادر بلگرامی المولد لکھنوی الموطن" نے بھی اس سلسلہ میں "تحقیق و تدقیق کا بیڑا" اٹھایا۔ لکھنؤ سے کلکتہ تک کے سفر کے ۱۲۶۸ھ میں کام کی ابتدا کی تھی اور ۱۲۹۱ھ میں اس سے فارغ ہوئے ۲۳ سال کی طویل مدت میں منشی صاحب نے "رسالہ افشائے اسرار فریمسن" تالیف کیا، جان کا خوف اس رسالہ کی اشاعت میں مانع رہا بالآخر ہمت کر کے مولف نے اس رسالہ کے طبع کرانے کا فیصلہ کیا۔ مولف کے بیانات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس موضوع پر اس نے پہلی بار لکھنے کی جسارت کی ہے لیکن ۱۶ اپریل ۱۸۶۳ء (مطابق ۱۲۸۰ھ؟) کے اودھ اخبار میں ایک مضمون "دربیان ماہیت و تحقیق حال فریمسن" شایع ہوا تھا۔ مولف نے اس مضمون کو بھی اپنی کتاب میں بجنسہ نقل کیا ہے۔ اس میں دو اور شخصوں کی اس موضوع پر کاوشات کا ذکر بھی ہے۔

بعض انگریز جو خود فریمسن ہوئے ہیں انھوں نے اس طریقہ اور مذہب کی بہت مذمت کی ہے چنانچہ کپتان ہاٹن صاحب نے جو کوہ منصوری پر رہتے ہیں ایک کتاب اس کی مذمت میں تصنیف کر کے رڑکی کے چھاپہ خانہ میں چھپوائی ہے اور نیز ایک صاحب فریمسن نے جو سابق دفتر صدر بورڈ میں ملازم تھے اس مذہب کی مذمت میں ایک مضمون اخبار انگریزی میں چھپوایا تھا۔"

بہر حال یہ رسالہ اس موضوع پر ایک دلچسپ اور معلومات افزا تصنیف ہے، اصل تالیف کی زبان فارسی ہے لیکن کسی شخص نے شروع میں اردو میں پانچ صفحات پر مشتمل تعارف یا دیباچہ لکھا ہے، کتاب کے ابتدائی دو صفحے ضایع ہو چکے ہیں، اس کی ضخامت ۸۰ صفحات ہے۔ آخر میں مولوی جواد علی مدرس مدرسۂ خاص کمپنی کے علاوہ میاں دادخاں سیاح کی بھی ایک فارسی تقریظ ہے کتاب کے اوراق شکستہ اور بوسیدہ ہونے کے سبب پڑھنے میں کافی دقت ہوئی۔

میاں دادخاں سیاح کا نام تلامذۂ غالب میں کسی تعارف کا محتاج نہیں، ان کے حالات اور کلام سے متعلق ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی کی کتاب "میاں دادخاں سیاح اور ان کا کلام" ۱۹۵۰ء میں حیدرآباد (دکن) سے شایع ہو چکی ہے اس میں جناب "نامی عبدالودود صاحب کا "تکملہ" بھی شامل ہے۔ اردو والوں کے لیے عموماً اور "غالبیات" پر کام کرنے والوں کے لیے خصوصاً سیاح کے حالات اور ان کی تصانیف دلچسپی کا سبب ہیں۔ زیر نظر رسالہ کی تقریظ میں سیاح نے اپنے چند فارسی اشعار نواب میر غلام بابا کی مدح میں بھی لکھے ہیں، اس کے علاوہ منشی نولکشور سے اپنے تعلقات اور سفر لکھنؤ کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ تقریظ چونکہ سیاح کے حالات وغیرہ کے سلسلہ میں معلومات افزا ہے اور ابھی تک اس کا ذکر کہیں دیکھنے میں نہیں آیا اس لیے اسے ہم تمام و کمال نقل کرتے ہیں، جہاں پر الفاظ یا فقرے پڑھے نہ جا سکے خط کھینچ دیا گیا ہے۔

رسالۂ زیر بحث کی ترتیب اس طرح ہے، شروع میں ایک "مقدمہ" ہے جس میں مولف نے رسالہ کی تالیف کے سلسلہ میں اپنی کوششوں اور محنتوں کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد "حقیقت دبستان فریمسن" کے عنوان سے اصل موضوع پر بحث کی ہے اس

---

[1] یہ کتاب ہمیں نواب سید حیدر علی خان بہادر نبیرہ نواب معین الدولہ باقر علی خان بہادر برادر نواب نظام الدولہ سید علی خان بہادر کے ذاتی کتب خانے میں ملی ہے، اس سلسلہ میں زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ نواب نظام الدولہ مرحوم بھی فریمسن تھے غدر ۱۸۵۷ء کی دار و گیر کے بعد نواب نظام الدولہ مرحوم کی رہائی کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے مولوی نجم الغنی لکھتے ہیں:

"ایک وجہ اور بھی تھی کہ یہ فریمسن بھی تھے اسی جہت سے اس فرقۂ خاص میں طریق حق برادری ایک دوسرے پر بہ شرط اختیار لازم ہوتا ہے۔" تاریخ اودھ ۲/ ص ۲۰۲

سلسلہ میں اقتباس ذیل سے تحریک مذکور کی مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

" اول ابتدائی شغف جان اس قدر اک حقیقت عالش می باشد دوم چون دیدند کہ بہ ہیچ مذہب از مومن وکافر و یہود و نصاری وغیرہم موقوف نبودہ است و ہر چیز یکہ باشد بروبالان است و در احکام اصل مذہبش ظاہرا فرقی و فتوری راہ نمی یابد لہذا بسیار بر دلہا سہل شدہ است سوم فوائد دنیوی ہم دریں واقف نرسیدہ اند کہ یک دیگری ہم جنس خود را بہ ہیچ گونہ محتاج نخواہند دید چہارم در ہر حال مصیبت و ضرورت از جان و مال و مجاہدات روحی و جسمی شریک و معین یکدگری باشند بحالات وگر مذاہب و فرق کہ در دوستان و ہمادراں باہم جنگ است "

اس کے بعد فصل در بیان اصل ماہیت و حقیقت فریمسن و دگر حالات متعلق بہا " بعد رسیدن کلکتہ از شخص ثقہ واقف حال مسلم الثبوت بہ ثبوت و تنقیح پیوست بجامہ سپردہ میشود " اور عبارت تقریظ در باب تنقیح و تصدیق مقدمہ فریمسن کہ مولوی جواد علی صاحب فاضل متبحر مسلم الثبوت مدرس مدرسہ خاص کمپنی و معاون علمای اولوالالباب مدرسہ کمپنی حسب تحقیق و تنقیح و مشاہدہ رای العین بہ قلم خاص خود بہ خامہ سپردہ و بناءبرمزید توثیق و اعتبار مہر خود ہم در آخرش ثبت فرمودند " اور " تائید و تصدیق دیگر کہ بعد تکمیل رسالہ بہ مولف این رسالہ من لفظہ بہم رسید۔۔۔ نقل اودھ اخبار در بیان ماہیت و تحقیق حال فریمسن نمبر ۱۶ جلد ۴ صفحہ ۲۷۰ مطبوعہ ۱۶ راپریل ۱۸۹۲ء (بہ زبان اردو)

کتاب کی کیفیت اور تحریک فریمسن کا ایک اجمالی خاکہ سیاح کی تقریظ سے بھی سامنے آجاتا ہے جو درج ذیل ہے۔

" تقریظ رسالۂ نادرہ افشای اسرار فریمسن ریختۂ خامۂ جادو نگار منشی میاں داد خاں صاحب سیاح معتمد خاص سرکار۔ ابد قرار نواب میر غلام بابا خاں صاحب بہادر رئیس سورت۔

طلسم کشائی آغاز تحمید محامد کبریائی کہ انسان ضعیف البنیان را بہ تشریف۔ بنی آدم مفتخر فرمودہ طاقت گرہ کشائی عقود سربستہ راز ہائی نہفتہ در رہاوہ سحر مشکن تحریر بہ نعت مسعوئیکہ عقل فاسد۔ و حرکات شیطانیہ ہمین ذرہ رم کراست لزدم و ہدایت عاشش از پایۂ اعتبار در افتادہ افضل الصلوۃ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین برزاۃ خوانجواربات بصائر کہ عکس پذیر عجائب عالم و نقش گزین غرائب موجودہ بنی آدم است مخفی مباد کہ پارہ از زمانہ گذشتہ باشد کہ خاکسار بیقدار بہ رسم سیر و سیاحت دیار کہ از بدو نظر تمام اشواق و متمنیات خاطر را در سیر و تفرج امصار انحصار کردہ اند طی زمانیان بہ غرض سیاحت نام گشتم بہ میاں داد خاں سیاح اشتہار دارند وارد دارالعلم لکھنؤ کہ با ایں ہمہ خستہ حالی شاہد رعنائی علوم و فنون در کنار دارد فرا گردیدم و بہ بالفعل رابطۂ محبت بہ والا کاشانہ دوست دلنواز سرمایۂ نازش دوستان سرا پانیاز گلگونۂ عارض مروت و وفا تاق شانہ کش طرۂ حسن اخلاق کہ در واقع مجلی زنگ نفاق است و مصیقلی تخجیل دکدر اتفاق نام گرامیش بہ منشی نولکشور مالک مطبع اودھ اخبار اشتہار دارد و رخت سفر برکشادم و بہ واسطۂ شفیق ممدوح الصدر تلاقی عائد شہر را آرزو کردم چون خانۂ بی تکلفش را مرجع خاص و عام کردہ اند اکثری از اہل جوہر و کمال در خوردم خاصۃً از نیرنگ عالی رمانی بلند فکری سحبان زبانی شیریں بیانی خسرو زمانی صاحبدلی صوفی مشربی کہ اسمش نامی دبیر الانشا منشی محمد ظہیر الدین خان بہادر بلگرامی است شرف ملازمت دریافتم و از طبع کلامش در صحبت ہائی متعدد و بعضی بر داشتم پسندیدہ و سنجیدہ عباراتش چنان پسند خاطرم افتاد کہ اگر سعدی عصرش خوانم بجا است و اگر خاقانی ثانیش گویم سزاست معائنۂ انجمن تصانیفش بہ دلم خلید کہ این عروس زیبا و انوار سربستۂ مشام آرا بہ عالی حضرت قدر قدرت سلیمان مرتبت خورشید سپہر کرامت و جمشید فرسا دہ مجد لعبت زیبا نگین خاتم مجد۔ اجلال نگین نو آئین کشور جاہ و جلال نخل بند حدائق۔ فرہنگ و عقل بحر محیط دنیائی فراست بہ نیرو ی۔ صمصام شہامت جلوہ دہ لعبت دلفریب ہمت۔ شناس نیک اختر خجستہ انفاس نکتہ فہم اسرار کہن دقیقہ یاب نکات سخن نقاد نقود سلاست بیانی طرفدار تاج نشان اقالیم معانی والاقانی نامدار فلک اقتدار نواب میر غلام بابا خاں صاحب بہادر رئیس سورت کہ در زمانہ بعلو ہمم و عموم کرم خود مشہور یکتائی است عالی وقار کہ اندیشہ بالا خرامان معارج سخن در ادراک عتبہ بوس ثنایش معترف بعجز و قصور است و شکر سامعہ نوازی او صافش بر جملۂ ارباب خرد و ذکا واجب و بہ مقدور او صاف حسنہ و خصائل حمیدہ در ذات والاتش تحریر کردہ اند و در اجتماع رضیۂ سجایا و گزیدۂ محامد وجود با جودش رائی ندو نظیر داشتہ اند چنانچہ بے ساختہ چند اشعار بہ توصیف والائش از دل بر زبان گذشتہ

اشعار

عتبہ اش سجدہ گاہ سجدہ فروز — وصف او کفر کاہ و کافر سوز
داوری کفر دشمن و دین یار — بہ دوئی و توئی خزان و بہار
گر کنم از سعادتش ترقیم — خامہ برخیزدم پی تعظیم
ارجمنداں بہ زیر سایۂ او — خود پسنداں مریہ پایۂ او
رونق بزم ارجمند ہیہ — مانع رسم خود پسندی ہا
ز عطایش چو گوہر افشاں ختم — خامہ گوید کہ ابر نیساں ختم
ز بیان سخاوتش بہ زبان — می نیاید سخاوت نیساں
خند اشہر ہار ملک کرم — کہ ندارد ———

——— بہادری اسلام

(باقی صفحہ ۶ کالم ۲ پر)

آہٹ

واحد علی بانگے

جب نظر اٹھاتا ہوں
تیرے حسن و سیرت کی
گم شدہ سی تصویریں
ذہن کے دریچے سے
جھانکتی ہی رہتی ہیں
ہاں! مگر تسلسل تیرا
سرسری عبارت کے
پیچ و خم میں ہی گم ہو کر
ڈھونڈھتا ہے رہبر کو
زرد حاشیہ لیکن!
فکر کے تسلسل سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے
اب فسردہ سطریں بھی
نیم باز آنکھوں سے
منجمد خیالوں کا انتظار کرتی ہیں

احساسِ اجنبیت

صبا جائسی

تمہارا کندن سا جسم کتنا شراب سے اب لمک اٹھا ہے
تمہارے یاقوت جیسے ہونٹوں پہ کتنی سرخی مچل گئی ہے
تمہاری نیلم کی جیسی آنکھیں شفق میں غوطے لگا رہی ہیں
تمہارے نازک سے دستِ دلکش پہ شاخِ گل کا گماں ہوا ہے
تمہارے عارض کا چمپئی سونا بڑی ادا سے پگھل رہا ہے
تمہارے دانتوں کی اجلی چاندی سے جوئے کوثر رواں ہوئی ہے
تمہاری خاکستری سی زلفوں میں کتنے سورج چمک رہے ہیں
تمہارے اندازِ گفتگو پر عجیب مستی سی چھا گئی ہے
تمہاری ہستی تو دلکشی کے کچھ ایسے غازہ میں دب گئی ہے
کہ میری چشمِ جمال دیدہ میں اجنبی بن کے رہ گئے ہو
ہر ایک کوچے ہر اک گلی میں میں تم کو آواز دے رہا ہوں
ہر اک مسافر ہر ایک رہبر سے رک کے تم کو میں پوچھتا ہوں
مگر تمہارا پتہ نشاں تک کوئی بھی مجھ کو بتا نہ پایا
تمہاری ہستی کا حسنِ رنگیں ہر ایک لمحہ عروج پر ہے
مگر یہ احساسِ اجنبیت شدید سے اب شدید تر ہے
میں جب بھی تم کو دیکھتا ہوں تو صرف اتنا ہی سوچتا ہوں
کہ تم جو اتنے حسیں نہ ہوتے تو اجنبی کی طرح نہ لگتے
تمہارا کندن سا جسم کتنا شراب سے اب دمک اٹھا ہے

مہاراشٹر میں اردو کے ساتھ ناانصافی توجہ طلب

قطب الدین جمعدار

مہاراشٹر میں اردو زبان کو ثانوی حیثیت حاصل ہے اور ایک عرصے سے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جا رہی ہے۔ بمبئی یونیورسٹی میں اردو اور فارسی پی۔ ایچ۔ ڈی کے معیار تک پڑھائی جاتی ہے۔ تقریباً یہی حال عربی اور اسلامک کلچر کا ہے۔ ان مضامین کی تعلیم مہاراشٹر کی اور یونیورسٹیوں میں بھی دی جاتی ہے۔ مہاراشٹر ہندوستان کا وہ خوش قسمت صوبہ ہے کہ جہاں پر فرقہ واریت دیگر صوبوں کے مقابلے میں کم ہے۔ لیکن اس فراخدلی اور وسیع النظری کے باوجود جو کھیر وزارت سے لے کر نائک وزارت تک اس صوبہ کا معمول رہی ہے، اردو، عربی، فارسی اور اسلامک کلچر کی تعلیم سے حکومت بے توجہی برت رہی ہے اور ان مضامین کی ترقی و ترویج پر کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔

ہندوستان کی تقسیم کے بعد یکے بعد دیگرے بمبئی ہی نہیں بلکہ ساری ریاست مہاراشٹر کے ممتاز کالجوں مثلاً راجہ رام کالج اور الفنسٹن کالج سے فارسی اور عربی اور پھر اردو کے شعبے بند کر دئے گئے۔ ابتدا ہی سے الفنسٹن کالج میں یہ سارے مضامین ایم۔ اے تک پڑھائے جاتے تھے اور پروفیسر مرزا حیرت، سردار عبد القادر سرفراز، پروفیسر ڈاکٹر جیلانی، ڈاکٹر عالی جعفری، پروفیسر حضرت شیخ، ڈاکٹر حمید اللہ ندوی اور ڈاکٹر میمونہ ندوی جیسے ممتاز حضرات ان مضامین سے متعلق اپنی علمی و تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد پہلے عربی اور فارسی کے شعبے ختم کیے گئے اور صرف اردو میں اسسٹنٹ لکچرر کی جگہ رکھی گئی۔

اردو کے شعبے کو الفنسٹن کالج میں برقرار رکھنے کے لیے طلبہ کی ایک معقول تعداد ہوتے ہوئے بھی آخری جون ۱۹۷۳ء میں اس کالج میں بھی یہ شعبہ بند کر دیا گیا اور اس کی وجہ کالج میں طلبہ کی تعداد کم بتائی جانے لگی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جون ۱۹۷۳ء میں کئی اردو والے طلبہ نے اس کالج میں داخلہ لیا تھا۔ اگر الفنسٹن کالج سے شعبۂ اردو کے بند ہونے کی وجہ اردو پڑھنے والے طلبہ کی کمی ہو سکتی ہے تو اسی بنیاد پر چند اور شعبے بھی بند ہو جانے چاہیے تھے جن میں طلبہ کی تعداد دو یا تین سے آگے نہیں بڑھتی اور جن کے پڑھانے کے لیے لکچرار کی جگہ رکھی گئی ہے۔ مثلاً اسمٰعیل یوسف کالج میں فرانسیسی طلبہ کی تعداد پانچ یا چھ سے شاید ہی آگے بڑھی ہو۔ تقریباً یہی حال الفنسٹن کالج میں جرمن زبان کا ہے۔

انگریزی، ہندی، مراٹھی، سنسکرت، فرانسیسی اور جرمن زبان میں پروفیسرشپ ہے اور ایک مضمون میں کئی پروفیسر ہیں لیکن اگر کسی مضمون میں پروفیسرشپ نہیں ہے تو وہ اردو، عربی، فارسی اور اسلامک کلچر ہیں۔

(بشکریہ)

مراسلات

اردو دوستوں سے چند باتیں

۱۵ اپریل ۱۹۶۶ء کے "ہماری زبان" میں آپ نے یہ "بوالعجبی" کے عنوان سے چند سطریں شائع کرکے بڑی جرأت مندی سے کام لیا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ جرأت مندی یہ ہوگی کہ اس سے ضروری نتائج اخذ کیے جائیں اور ان پر عمل کیا جائے۔

ادھر کئی برس سے "ہماری زبان" میں جو مضامین و مراسلات شائع ہو رہے ہیں ان میں سے اکثر یہ ناخوشگوار تاثر پیدا کرتے ہیں کہ اردو زبان و ادب کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ خط غلط، املا غلط، انشا غلط۔ اردو زبان کا سیکھنا اور سکھانا بہت مشکل ہے کیونکہ اس کی ہر چیز منطق، سائنس اور لسانیات کے خلاف ہے۔ اردو ادب کا دامن محدود ہے۔ وہ پوری طرح ہندوستانی نہیں ہے۔ اس میں تمام فرقوں کے افراد اور روایات کو برابر کی جگہ نہیں دی جاتی۔ اردو کے مستند محقق اور نقاد تحقیق و تنقید کی مبادیات سے ناواقف ہیں۔ ان کے کارنامے سہل انگاری اور غلط نویسی کا نمونہ ہیں اور وہ آج کل کے نوآموز محققین اور ناقدین کی ان بلند پایہ تحریروں کے آگے نہیں ٹھہر سکتے جو صرف دوسروں کی غلطیاں نکالنے کے لیے لکھی جاتی ہیں۔ غرض یہ کہ ایک طویل فردِ جرم ہے جو لفظاً یا عملاً سامنے آتی رہتی ہے۔ "ہماری زبان" کے صفحات کو یہ افتخار بھی حاصل ہے کہ کبھی کبھی سرکاری بے اعتنائی یا مخالفت کا سلسلہ اردو کی بعض مفروضہ یا حقیقی کوتاہیوں سے ملایا جاتا ہے جس سے یہ دل شکن احساس پیدا ہوتا ہے کہ کیا کیا جائے ہماری زبان ہی ایسی ہے کہ اسے آسانی سے آئینی، قانونی یا تعلیمی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔

قطع نظر اس کے کہ یہ باتیں کتنی بے بنیاد ہیں، اردو والوں کا یہ رویہ خود ان کے اس موقف کے خلاف ہے جو انھوں نے اردو کو علاقائی یا سرکاری زبان کی حیثیت دلانے کے لیے اختیار کر رکھا ہے۔ اگر ابھی زبان کے بنیادی خط و خال ہی کے بارے میں ہزاروں شبہات اور اختلافات ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس زبان کے لیے جد و جہد کر رہے ہیں۔ اس زبان کے لیے جو اس وقت موجود ہے یا جو ان کی نو بہ نو اصلاحوں اور تجویزوں کے بعد اپنی خاکستر سے سامان وجود حاصل کرے گی۔ اردو میں منطق، سائنسی اور لسانیات کا علم بلند کرنے والے کیا اس سے ناواقف ہیں کہ دنیا کا کوئی مروج رسم خط یا زندہ زبان منطقی، سائنسی یا لسانی عیب سے مکمل نہیں ہے اور نہ کسی زبان کی بقا اور ترقی کے لیے یہ لازمی ہے؟ کیا انھیں رسم خط اور زبان کی اصلاح کی عملی دشواریوں کا اندازہ نہیں ہے؟ کیا وہ ان امور میں فطری عوامل کے بجائے مصنوعی طریقوں پر زیادہ بھروسا رکھتے ہیں؟ یا اردو کے مخالفین کا جادو ان پر ایسا چل گیا ہے کہ انھیں اپنی زبان میں خامیاں ہی خامیاں نظر آتی ہیں؟ یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ اردو والے جس سانس میں مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں اسی سانس میں ان کے اعتراضات کے بموجب اردو زبان و ادب کی اصلاح کے درپے دکھائی دیتے ہیں۔ اردو کے مخالفین کی کامیابی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود اردو کے حلقوں میں کھلبلی مچ گئی ہے اور سراسیمگی اور عدم اعتماد کی ایک ایسی فضا پیدا ہو رہی ہے جس میں اردو زبان و ادب کی صحیح تعلیم اور ترقی کا تصور روز بروز مشکل ہوتا جاتا ہے۔ اردو کے بہی خواہوں کو یہ بات سمجھنا چاہیے کہ اردو کی مخالفت کے اسباب کا تعلق زیادہ تر سیاست اور لسانی عصبیت سے ہے۔ اگر اردو رسم خط، زبان اور اس کی بعض روایات کو منطق، سائنس اور لسانیات کے زریں اصولوں کے عین مطابق کر بھی لیا جائے تو اس سے اردو کی مخالفت کا سدباب نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس قسم کی بے سر و پا نکتہ چینی اور عیب جوئی سے خود اپنے ہاتھوں اردو کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ ہے۔

اردو زبان و ادب کی اصلاح اس میں شک نہیں کہ وقت کا ایک اہم تقاضا ہے مگر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ زمانے کے انقلابات کے ساتھ ہر دور میں تغیر و اصلاح کا عمل رونما ہوا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ لیکن یہ عمل مخالفین کے ان حربوں کا تابع نہ ہوگا جن کی نوعیت سیاسی ہے اور اگر ہوا تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اسی طرح تغیر و اصلاح کے عمل کا معیار ان موشگافیوں سے بھی یقیناً بلند ہوگا جس کا نمونہ "ساڑھے چھ اور سوا پانچ" جیسے مباحث میں پیش کیا جا رہا ہے۔ آنسہ نور العین صدیقی نے اردو میں اعداد کسور اور اعشاریہ کے لکھنے کے متعدد و مسلمہ طریقے کی وضاحت بڑی خوبی سے کر دی ہے لیکن وہ بھی دائیں اور بائیں کے "تضاد" میں الجھے بغیر نہیں رہ سکیں اور یہ مہلک جملے ان کے قلم سے نکل ہی گئے کہ "ابتدائی مدارس میں گنتی لکھنا سکھاتے وقت اس الجھن کا بہت تلخ تجربہ ہوتا ہے۔ بعض بچے تو بڑے ہونے تک ۴۸ کو ۸۴ اور ۸۴ کو ۴۸ لکھ جاتے ہیں۔" میرے خیال میں اگر ایسا ہوتا ہے تو دماغی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس میں گنتی لکھنے کے طریقے کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس طرح کی غلطیاں انگریزی اور ہندی میں بھی ہو جاتی ہیں۔ اگر اردو میں گنتی لکھنے کا طریقہ منقلب کر دیا جائے یا گنتی لکھنے کے موجودہ طریقے سے مطابقت کے لیے اردو بائیں طرف سے لکھی جانے لگے تو بھی ایسی الجھنیں اور غلطیاں ختم نہ ہوں گی کیونکہ دماغی کمزوری کا علاج کسی زبان یا علم (بجز علوم کو چھوڑ کر) کے پاس نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر گنتی کا لکھنا سکھانے میں بچوں کے ذہن پر یہ غلط نقش بٹھا دیا جائے کہ اردو میں گنتی لکھنا بھی مشکل ہے تو صحیح ذہن رکھنے والے بچوں پر بھی اس کا برا اثر پڑ سکتا ہے کیونکہ ہر چیز کے سیکھنے میں نفسیات کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔ ہمارے اساتذہ تو مشکل سے مشکل چیز کو آسان کہہ کر

آسانی سے ذہن نشین کرا دیئے تھے۔ ہم آسان چیزوں کو بھی مشکل بنا کر پیش کریں گے تو مشکل چیزوں کا کیا حشر ہوگا۔ کیا تمام مشکلات زبان اور علوم سے خارج کر دی جائیں گی۔ علم و آگہی کے میدان میں سہولت پسندی کا دخل شاید ہمارے زمانے کا سب سے مضر رجحان ہے۔ جس کے خطرناک اثرات کافی نمایاں ہو چلے ہیں۔ ہمیں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ کہاں ذہن کا قصور ہے اور کہاں زبان کا۔ بعض بچوں یا بڑوں کی ذہنی کمزوری کی بنا پر اگر زبان کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا گیا تو زبان تو ضرور خلل دماغ کے معیار پر آجائے گی لیکن خلل دماغ اپنی جگہ پر رہے گا اور زبان کی اصلاح کے بعد بھی نئی نئی شکلوں میں اپنا جلوہ دکھاتا رہے گا۔

ہماری زبان کے اسی زیر بحث شمارے میں "رہائش" کے متعلق یہ لکھ کر کہ آج کل اس لفظ کا استعمال عام ہو رہا ہے دریافت کیا گیا ہے کہ "کیا رہائش کو اردو لفظ قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا اور الفاظ کی تشکیل اس طرح ہو سکتی ہے؟ اور اگر جواب نفی میں ہے تو پھر رہائش کا اردو مرادف کیا ہے؟"

جواباً گزارش ہے کہ "رہائش" آج سے بہت پہلے کے معیاری اردو لغات میں موجود ہے اس لیے اسے اردو کا لفظ قرار دینے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔ رہ گیا یہ سوال کہ کیا اور الفاظ کی تشکیل بھی اس طرح ہو سکتی ہے تو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ لیکن ان کی تشکیل کسی قاعدے کے مطابق نہ ہوگی بلکہ اسی طرح بے قاعدہ ہوگی جیسے "رہائش" کی ہوئی ہے اور اس کی صحت کا انحصار چلن اور رواج پر ہوگا نہ کہ الفاظ سازی کی کوشش پر۔ کسی زندہ زبان کی ایک دلچسپ پہچان بے قاعدہ الفاظ کا ذخیرہ بھی ہے کیونکہ ایسے الفاظ چلن اور رواج کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اردو کی روایات قابل فخر ہیں۔ قواعد پرستی کے زعم میں نہ تو ان الفاظ کو خارج کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس کے برعکس ایسے الفاظ بنانے کی کوئی مہم چلانے کی، کیونکہ یہ دونوں باتیں زبان کی انفرادیت اور فطری ارتقا کے منافی ہوں گی۔ (ابو محمد سحر)

آغا خلش کاشمیری کے ایک مراسلے کے سلسلے میں

۲۲ راپریل کا پیش نظر ہے۔ اس کے ایک مراسلے میں سابق کے ایک مکتوب نگار کے سید فضل المتین کے مکتوب مندرجہ ۲۲ رمارچ کی چار عبارتوں پر گرفت کی گئی ہے۔ عبارتیں یہ ہیں:-

۱۔ "ابھی حال میں"
۲۔ "کوئی اعلیٰ پایہ کا خوشخط"
۳۔ "ایک اہم ترین"
۴۔ "موقلم کی کاوش"

مجھ کم سواد کو ان چاروں میں زبان کی کوئی بھی غلطی نظر نہ آسکی "حال میں" میں تاکید و زور پیدا کرنے کے لیے "ابھی" کا اضافہ، اسی طرح خوشخط پر "اعلیٰ پایہ کا" کا اضافہ اور "اہم" پر "ترین" کا اضافہ محاورہ روزمرہ میں بالکل جائز ہے۔ اور "موقلم کی کاوش" کی غلطی تو اور بھی سمجھ میں نہ آئی۔

فصحا کا استعمال لغت صرف و نحو کے ہر قاعدہ پر حاکم ہے "محکوم نہیں"۔ "اہم" اردو میں لازمی طور پر افعل التفضیل نہیں "اہم تر" "اہم ترین" دونوں بالکل درست ہیں۔

(عبد الماجد دریا آبادی)

ایک استفسار

قارئین ہماری زبان سے التماس ہے کہ مندرجہ ذیل چیزوں کے بارے میں انھیں کچھ علم ہو تو از راہ کرم مجھے مطلع فرمائیں۔

(۱) اردو کی سب سے پہلی کتاب کس پریس میں چھپی اس کا کیا نام ہے۔

(۲) اردو کی پہلی باتصویر کتاب کون ہے اور کس پریس سے شایع ہوئی۔

(۳) اردو کی لکھائی چھپائی کے اعتبار سے سب سے خوب صورت کتاب کون مانی جاتی ہے وہ کس پریس سے شایع ہوئی ہے۔

(۴) اردو میں بچوں کے لیے نثر میں سب سے پہلی کتاب کونسی لکھی گئی اور اس کے مصنف کا کیا نام تھا۔

(۵) اردو میں بچوں کا سب سے پہلا رسالہ کونسا تھا کس مقام سے شایع ہوا اور اس کے ایڈیٹر کون تھے۔

(۶) اردو میں خواتین کا کون سا رسالہ سب سے پہلے شایع ہوا اور اس کا ایڈیٹر کون تھا۔

(۷) اردو میں صنعت و حرفت یا زراعت پر کوئی رسالہ شایع ہوا ہے یا نہیں؟

(۸) اردو میں سب سے پہلا فلمی رسالہ کون سا شایع ہوا ہے

(۹) اردو میں فن طباعت کے بارے میں سب سے پہلا رسالہ کونسا شایع ہوا اور اس کے ایڈیٹر کون تھے۔ (شریف الحسن لاہروی)

انجمن کی شاخوں کی تنظیم کے قواعد

(یہ قواعد ۲۴ را پریل ۱۹۶۶ء کی مجلس عاملہ و عام کے مشترکہ جلسے میں منظور ہوئے)

(۱) انجمن کی شاخیں مندرجہ ذیل اقسام کی ہوں گی۔
(الف) مقامی۔ (ب) ضلعی۔ (ج) ریاستی۔

(۲) (الف) مقامی شاخ کسی گاؤں، قصبے یا شہر میں قائم کی جا سکتی ہے۔

(ب) ضلعی شاخ ہر ضلع میں مقامی شاخوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ اگر کسی ضلع میں مقامی شاخیں نہ ہوں تو پورے ضلع کی ایک شاخ بھی قائم کی جا سکتی ہے۔
(نوٹ) دہلی میں ہر پارلمانی حلقے کو انجمن کی شاخ کے قیام کے لیے ایک ضلع تصور کیا جائے گا۔

(ج) ہر ایسی ریاست میں جہاں کم از کم پانچ ضلعی شاخیں موجود ہوں انجمن کی ایک ریاستی شاخ قائم کی جا سکتی ہے جو ضلعی شاخوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ ریاستی شاخ کا دفتر عموماً ریاست کے صدر مقام میں ہوگا۔
(نوٹ) دہلی، بمبئی اور کلکتے میں انجمن کی ریاستی شاخیں خصوصی طور پر قائم کی جائیں گی جو پارلمانی حلقوں کی شاخوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوں گی۔

(۳) (الف) ہر مقامی شاخ کو اختیار ہوگا کہ اپنے ممبروں کی تعداد کے لحاظ سے ضلعی شاخ کی رکنیت کے لیے اپنے نمائندے اس حساب سے منتخب کرے کہ ہر بیس ممبر پر ایک نمائندہ اور بقیہ ممبروں پر ایک نمائندہ بشرطیکہ بقیہ ممبروں کی تعداد دس سے کم نہ ہو۔ یہ سب نمائندے ضلعی شاخ کی مجلس عام کے رکن ہوں گے۔

(ب) ہر ضلعی شاخ کی مجلس عام کو اختیار ہوگا کہ اپنے ممبروں کی تعداد کے لحاظ سے ریاستی شاخ کی رکنیت کے لیے اپنے نمائندے اس حساب سے منتخب کرے کہ ہر دس ممبر پر ایک نمائندہ اور بقیہ ممبروں پر ایک نمائندہ بشرطیکہ بقیہ ممبروں کی تعداد پانچ سے کم نہ ہو۔ یہ سب نمائندے ریاستی شاخ کی مجلس عام کے رکن ہوں گے۔ (نوٹ) اگر کسی ضلع میں مقامی شاخیں نہ ہوں اور پورے ضلع کی صرف ایک ہی شاخ ہو تو وہ ریاستی شاخ کی رکنیت کے لیے اپنے نمائندے اس حساب سے منتخب کرے گی کہ ہر دو سو ممبر پر ایک نمائندہ اور بقیہ ممبروں پر ایک نمائندہ بشرطیکہ بقیہ ممبروں کی تعداد ایک سو سے کم نہ ہو۔

(۴) صدر انجمن کو اختیار ہوگا کہ ہر ریاستی شاخ کی مجلس عام کی رکنیت کے لیے زیادہ سے زیادہ پانچ اشخاص کو نامزد کریں۔

(۵) ہر ریاستی شاخ کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنا ایک نمائندہ مرکزی انجمن کی مجلس عام کی رکنیت کے لیے منتخب کرے، یہ انتخاب ریاستی شاخ کی مجلس عام کے باقاعدہ جلسے میں کیا جائے گا۔ یہ نمائندہ تین سال تک مرکزی انجمن کی مجلس عام کا رکن رہے گا، بشرطیکہ اس کی ریاستی شاخ کی رکنیت برقرار رہے۔

(۶) (الف) مقامی شاخوں کی رکنیت کا سالانہ چندہ پچیس پیسے ہوگا۔

(ب) جن اشخاص کو مقامی شاخیں ضلعی شاخ کی رکنیت کے لیے منتخب کریں گی ان کو ایک روپیہ سالانہ ضلعی شاخ کی رکنیت کا چندہ ادا کرنا ہوگا۔

(ج) جن اشخاص کو ضلعی شاخیں ریاستی شاخ کی رکنیت کے لیے منتخب کریں گی ان کو تین روپے سالانہ ریاستی شاخ کی رکنیت کا چندہ ادا کرنا ہوگا۔ (نوٹ) ریاستی شاخ کے نامزد ارکان کو بھی تین روپے سالانہ چندہ ادا کرنا ہوگا۔

(۷) ہر مقامی شاخ اپنے ضلع کی شاخ کو اور ہر ضلع کی شاخ اپنی ریاست کی شاخ کو اور ہر ریاست کی شاخ مرکزی انجمن کو اس آمدنی کا دسواں حصہ ادا کرے گی جو اس شاخ کو رکنیت کے سالانہ چندے سے ہوگی۔

(۸) مقامی، ضلعی اور ریاستی شاخوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے عہدہ داروں اور مجلس عاملہ کے ارکان کا انتخاب کریں۔ یہ انتخاب ہر سال ہوگا۔ اور اس میں وہی ارکان حصہ لیں گے جنھوں نے انتخاب کی تاریخ سے ایک ہفتہ پہلے سالانہ چندہ ادا کر دیا ہو۔ (نوٹ) مقامی شاخوں کے انتخاب جنوری کی ۱۵ تک ضلعی شاخوں کے جنوری کی ۳۱ تک اور ریاستی شاخوں کے فروری کے آخر تک مکمل ہو جانا چاہیے۔

(۹) ہر ریاستی شاخ کے سکریٹری کا فرض ہوگا کہ فروری کے آخر تک اس ریاست کی سب شاخوں کی کارگزاری کی سالانہ رپورٹ مرکزی انجمن کے جنرل سکریٹری کے پاس بھیج دیں۔ یہ بھی ضروری ہوگا کہ شاخوں کی آڈٹ رپورٹ اپریل کے آخر تک جنرل سکریٹری کے پاس پہنچ جائے۔

(۱۰) ریاستی شاخوں کو اختیار ہوگا کہ اپنی ماتحت ضلعی شاخوں کے کام کی نگرانی کریں اور حسب ضرورت ہدایات جاری کریں۔ اسی طرح ضلعی شاخوں کو اپنی ماتحت مقامی شاخوں کی نگرانی اور ہدایت کا اختیار ہوگا۔

(۱۱) اگر کسی ریاست میں ریاستی شاخ نہ ہو تو مرکزی انجمن کے جنرل سکریٹری کو

اختیار ہوگا کہ صدر انجمن کے مشورے سے ایک عارضی کمیٹی مقرر کریں۔ اس کمیٹی کا فرض ہوگا کہ ریاستی شاخ کے قیام سے متعلق ضروری کارروائی چھ مہینے کے اندر مکمل کرے اور جب تک ریاستی شاخ نہ قائم ہو اس وقت تک اس ریاست کی سب ضلعی شاخوں کی نگرانی بھی کرے۔ ریاستی شاخ کے قیام کے بعد یہ کمیٹی اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جائے گی۔

(۱۲) صدر انجمن کو اختیار ہوگا کہ کسی شاخ کے دفتر کے معائنہ یا اس کی کارگزاری کی جانچ کے لیے مرکزی انجمن کے کسی رکن کو نامزد کریں یا ارکان کی ایک کمیٹی مقرر کریں۔ اس معائنہ یا جانچ کی رپورٹ صدر کی خدمت میں پیش کی جائے گی اور اگر صدر کی رائے میں کسی کارروائی کی ضرورت ہوگی تو وہ ہدایات صادر کریں گے۔

(۱۳) (الف) اگر کوئی ریاستی شاخ انجمن کے اغراض و مقاصد کی خلاف ورزی کرے یا قواعد کی پابندی نہ کرے تو مرکزی انجمن کی مجلس عاملہ کو اختیار ہوگا کہ اس سے جواب طلب کرے اور اگر اس کا جواب قابل اطمینان نہ ہو تو اس کے الحاق کو منسوخ کر دے اور دوسری ریاستی شاخ کے قیام کے لیے ضروری کارروائی کرے۔

(ب) ریاستی شاخوں کی مجالس عاملہ کو اختیار ہوگا کہ شدید بے عنوانی کی صورت میں اپنی ماتحت کسی ضلعی شاخ کے الحاق کو منسوخ کر دیں اور دوسری شاخ کے قیام کے لیے ضروری کارروائی کریں۔ الحاق کی منسوخی سے پہلے متعلقہ شاخ کو الزامات کے جواب کا پورا موقع دیا جائے گا۔ متعلقہ شاخ کی مجلس عاملہ کو حق ہوگا کہ وہ الحاق کی منسوخی کے خلاف مرکزی انجمن کی مجلس عاملہ سے اپیل کرے جس کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔

(ج) ضلعی شاخوں کی مجالس عاملہ کو اختیار ہوگا کہ شدید بے عنوانی کی صورت میں اپنی ماتحت کسی مقامی شاخ کے الحاق کو منسوخ کر دیں اور دوسری شاخ کے قیام کے لیے ضروری کارروائی کریں۔ الحاق کی منسوخی سے پہلے متعلقہ شاخ کو الزامات کے جواب کا پورا موقع دیا جائے گا۔ متعلقہ شاخ کی مجلس عاملہ کو حق ہوگا کہ الحاق کی منسوخی کے خلاف ریاستی انجمن کی مجلس عاملہ سے اپیل کرے جس کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔

(۱۴) ریاستی شاخوں کی مجالس عاملہ کو اختیار ہوگا کہ انجمن کے اغراض و مقاصد اور آئین و ضوابط کو مد نظر رکھتے ہوئے اور شاخوں سے متعلق مذکورہ بالا قواعد کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی ضرورتوں کے لیے ضمنی قواعد مرتب کریں۔ ان ضمنی قواعد کی نقل منظوری کے فوراً بعد انجمن کے جنرل سکریٹری کے پاس بھیجنا ضروری ہوگا۔ اگر جنرل سکریٹری کی رائے میں ان ضمنی قواعد کی کوئی دفعہ انجمن کے اغراض و مقاصد، آئین و ضوابط یا شاخوں سے متعلق قواعد سے متصادم ہوگی تو وہ اپنی اس رائے کو انجمن کی مجلس عاملہ کے سامنے پیش کریں گے جس کا فیصلہ اس بارے میں قطعی ہوگا اور جس کی پابندی ریاستی شاخ کے لیے لازمی ہوگی۔

(۱۵) مذکورہ بالا قواعد کے مفہوم کے بارے میں اگر کوئی اختلاف ہوگا تو تشریح و توضیح کا اختیار صدر انجمن کو ہوگا جن کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔

صفحہ ۸ سے آگے

۔ شاہدان زیبا خلوت۔ دشگفتہ اش گل کم۔ تصانیف کثیرہ اش دو نسخہ۔ بہ انشائی اسرار فریس را لیعنی غیر مترقبہ از اتفاقات خدائی تعیم است بر جیدم دربہم ارمغان ورہ آورد و سفر پہ حضور پر نور آقائی نعمت خود پیش کردہ عزت افزودم و بہ مصداق الکربیت

پذیرا سخن بود شہ جہانگیر سخن کو دل آید بود دلپذیر

بہ حسن پذیرائش معدر آفرینہا گردیدم از نجا کہ ہمت عالی نہمت ملازمان کیوان مکان آقائی نامدار مشغوف تبرفیہ عام وانجام مآرب خواص و عام است فرمان واجب الانقیاد بانطباع ہر دو نسخ نادرہ شرف نفاذ یافت تا منافع مقاصد ش کہ بہ حجاب خفا و تتق اختفا مستور اند بمنصۂ شہود نشستہ کحل البصر دیدۂ جہان و غازہ کش چہرۂ مشتاقان گردد خساکسار بہ تعمیل ارشاد واجب الاتباع کمر ہمت بربستہ بنامی کارخانہ شفیق موصوف خودش کہ مطبع اودھ اخبار ش نامند۔۔۔۔۔۔۔ و بانطباعش ایما ساختم بحمد اللہ کہ این کلید طلسم سربند۔ خزینۂ نو رکہن موسوم بہ انشائی اسرار فریش محتوی۔ نہفتہ کہ از بہ دار تقائی اعلام شوکت سرکار ذوی الاقتدار انگلشیہ درین جنت آباد ہندوستان زبانی یافت ئی اسرار فریشن سودائی درسر۔۔۔ اصمت دہر کس بہ تیرہ روی خود دست وبائی زدہ اطلاع حقیقتش را ۔۔۔ بر منفا ہیم متعلقہ اش ہم پی نبردہ اکثری درین تمنا ایمان برباد دادند و بسیاری بدین آرزو حقانہ مشرب خود را مرطاق نہادہ تسلط شیاطین بر خود گوارا کردند مگر کسی بعد اطلاع زبان بہ بنیان سری از اسرار ش نکشادہ ہر کہ بہ۔۔۔ از ان بر زبان۔۔۔ نا پیدا کنار راز زبان۔ و انکشاف حقائق بہ بندگان خاص۔۔۔ بہ حق بہ گفتہ و طرز شناسندہ۔۔۔ و دی وآن فقل نا شکستہ را طرز کلیدی بجہت تشریح و تعرفی حضرت مصنف در مطبع منشی نو لکشور مالک مطبع اودھ اخبار رہا شی ۱۸۸۰ء بحلیہ انطباع پیوست۔

انجمن ترقی اردو دہلی کی سالانہ رپورٹ

انجمن ترقی اردو دلی کا کام میں نے ۱۹۴۹ء سے شروع کیا لیکن اب سولہ سال گزرنے کے بعد میں بے حد افسوس کے ساتھ کہتی ہوں کہ اردو کے لیے ہم عملی جد وجہد بالکل نہیں کر سکے اس کا یہ مقصد نہیں کہ ہم نے کچھ نہیں کیا سوال تو یہ ہے کہ جو کچھ کیا اس کا نتیجہ کیا نکلا یوں تو پنڈت جواہر لال نہرو مرحوم سابق وزیر اعظم کی خدمت میں بھی ہمارا وفد گیا اور پنڈت جی نے اردو کے معاملہ میں ہمدردانہ غور کرنے کا وعدہ کیا پنت جی سے بھی ہمارے صدر پنڈت سندر لال جی ملے۔ سورگیہ لال بہادر شاستری نے بھی ہماری شکایات سنیں اور ان پر غور کرنے کا وعدہ کیا موجودہ وزیر داخلہ نندہ جی سے بھی گذشتہ سال ہمارا وفد ملا لیکن نتیجہ تا حال کچھ نہیں نکلا۔

دلی میں اردو کا مسئلہ ۱۹۵۶ء میں شدت سے سامنے آیا جب دلی اسمبلی کو توڑ دیا گیا اس اسمبلی کی زبان کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں اردو کو دلی کی علاقائی ثانوی سرکاری زبان قرار دینے کی سفارش کی تھی اس رپورٹ کو مرکزی وزارت داخلہ نے اپنی فائلوں میں محفوظ کر لیا حالانکہ دلی میں سیاسی طور پر اردو کی مخالفت بالکل نہیں ہے۔ سابق اسٹیٹ دلی اسمبلی نے ہندی۔ انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی سرکاری درجہ دیا تھا اور اس کی زبان کمیٹی میں ہندو مہا سبھا کے صدر ہندی ساہتیہ سمیلن اور دلی یونیورسٹی کے شعبہ ہندی کے صدر بھی شامل تھے ان سب نے اتفاق رائے سے یہ رپورٹ تیار کی تھی جس کو وزارت داخلہ نے بالکل نظر انداز کر دیا۔ ۱۹۵۷ء میں اردو کانفرنس انجمن ترقی اردو نے مرکزی حکومت کو اس رپورٹ کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۴ جولائی ۱۹۵۸ء کو وزارت داخلہ کی طرف سے اردو زبان کے بارے میں ایک سرکاری بیان جاری ہوا اس بیان میں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ دلی سیکڑوں برس سے اردو تہذیب کا گہوارہ رہی ہے وزارت داخلہ نے یہ اعتراف کیا اردو یقیناً ہمارے ملک کی زبان ہے ہندوستان اس کا وطن ہے آئین کے ہشت شیڈول میں درج قومی زبانوں میں اردو کو شامل کر کے آئین میں اس کی بنیادی حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ آئینی طور پر ہماری اور قومی زبانوں کی طرح تمام حقوق اردو کو بھی حاصل ہیں افسوس ہے کہ اس واضح بیان کے بعد بھی دلی میں سرکاری طور پر اردو کی حیثیت کو تا حال تسلیم نہیں کیا گیا ظاہر ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس بیان کو قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے یہ محض ایک سرکاری بیان کی حیثیت رکھتا ہے حالانکہ دلی اردو کی جنم بھومی ہے دلی والوں کی زبان بلا تخصیص مذہب و ملت اردو ہے اور اردو کے حق کو منوانے کے لیے دلی کے سر برآوردہ شہری اور سیاسی رہنما ہمیشہ تقریریں کرتے رہے ہیں سورگیہ پنڈت نہرو نے ۱۹۵۵ء میں اپنے ایک خط میں صدر انجمن ترقی اردو دلی پنڈت سندر لال کو اردو کو اس کا جائز مقام دلی میں دلانے کا وعدہ کیا تھا لیکن مرکزی حکومت کا رویہ اس سلسلے میں مایوس کن رہا ہے مگر اہل دلی نے ابھی ہمت نہیں ہاری کیونکہ سیکولرازم اور جمہوریت پر یقین رکھنے والی سیاسی پارٹیاں ہمیشہ اردو کی حمایت میں آواز بلند کرتی رہتی ہیں سابق دلی میونسپل کمیٹی اور اس کے بعد دلی میونسپل کارپوریشن نے اردو کی علاقائی حیثیت کو باقاعدہ تسلیم کیا اور دلی والے خواہ پارلیمنٹ میں ہوں خواہ کارپوریشن میں اردو کے مسئلے سے ہمیشہ بہت دلچسپی لیتے ہیں لیکن اس تمام تر حوصلہ افزائی کے باوجود یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ جب تک سرکاری طور پر باقاعدہ اردو کو دلی کی علاقائی ثانوی زبان تسلیم نہیں کیا جائے گا اردو کی تعلیم و ترویج کی مشکلات بڑھتی رہیں گی اور یہاں کی آئندہ نسل اپنی مادری زبان سے بیگانہ ہوتی جائے گی یہ صورت حالات بہت افسوسناک ہے انجمن ترقی اردو نے اپنے دائرے میں رہ کر ہر ممکن کوشش کی کہ حکومت کو اس کا احساس دلایا جائے کہ دلی کے لوگ حکومت کے رویہ سے بیزار اور مایوس ہیں ۱۹۶۴ء میں وزیر داخلہ کو ایک مطالبہ نامہ ہمارے وفد نے پیش کیا اور ان سے کہا کہ آئین کی دفعات ۳۴۷ کے تحت اردو کو علاقائی زبان قرار دیا جائے لیکن وفد وزیر داخلہ کی بات چیت سے مطمئن نہیں ہوا۔ نندہ جی نے دلی کو علاقائی ثانوی زبان اردو کو منوانے کے لیے کوئی امید افزا بات نہیں کی اس ناکامی کے بعد ہماری مجلس عاملہ نے اردو کے مسئلے کو دلی والوں کے سامنے رکھنے کا فیصلہ کیا تاکہ مطالبہ کو رائے عامہ کی وجہ سے تقویت ملے یہ وہ زمانہ تھا جب جنوبی ہند میں زبان کا سوال اٹھا تھا اور فضا پر سکون نہ تھی اس لیے بعض حلقوں کی طرف سے مخالفت متوقع تھی لیکن حالات بہت خوشگوار رہے انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام ایک عام اجتماع جنوری ۱۹۶۵ء میں ہوا اس اجتماع میں دلی کے سر کردہ شہری مختلف پارٹیوں کے رہنما تعلیمی اداروں کے نمائندے اور اردو صحافی شامل تھے اس نمائندہ اجتماع میں اردو تحریک کے پس منظر سے سب حضرات کو آگاہ کیا گیا اور متفقہ طور پر یہ طے ہوا کہ انجمن ترقی اردو کے ساتھ مل کر تمام پارٹیاں اور ادارے اس تحریک کو چلائیں چنیدہ افراد کی ایک اسٹیرنگ کمیٹی بنائی گئی اور اس کمیٹی نے دلی کے ہر حصہ میں اردو کی حمایت میں جلسے کرائے اور اردو تحریک کو پُر زور بنانے کے لیے کافی جد و جہد کی۔ انجمن ترقی اردو نے اس سلسلے میں رام لیلا گراؤنڈ میں مسز وجے لکشمی کی صدارت میں جلسہ کیا۔ یہ جلسہ ہر لحاظ سے بہت کامیاب رہا۔ لالہ شام ناتھ۔ چودھری برہم پرکاش دلی کے دونوں لیڈر اس بات پر متفق تھے کہ دلی میں اردو کو علاقائی درجہ حکومت کو دینا چاہیے اس جلسہ میں اردو کے حق میں بہت پر زور تقاریر کیں محترمہ صدر صاحبہ نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ دلی کی زبان اردو ہی ہے اور دلی والوں کا یہ مطالبہ بالکل صحیح ہے کہ دلی کو اردو

ثانوی درجہ سرکاری طور پر ملنا چاہیے ہندوستان میں عام طور پر اور ملک کے ہر حصہ میں ہندوستانی بھی اردو بولی جاتی ہے اور یہ ہندوستان کی بہت ہر دلعزیز زبان ہے اس کا ادب ملک کا ایک بیش بہا خزانہ ہے اور ہم اردو زبان کے علمی ادبی سرمایہ پر فخر کرتے ہیں اردو کوئی غیر ملکی زبان نہیں یہ دلی میں پیدا ہوئی اور یہیں پلی بڑھی آزادی کی لڑائی میں اردو نے بہت اہم رول ادا کیا ہے انقلاب زندہ باد کا نعرہ اردو نے ہم کو دیا اور ہمارے کئی بہادر سرفروش اردو کے شعر پڑھتے ہوئے ہندوستان کی آزادی کے لیے قربان ہو گئے۔

۲۲ فروری ۱۹۶۵ء کو سورگیہ لال بہادر شاستری کو ایک مطالبہ نامہ پیش کیا گیا اسی روز مولانا آزاد کے مزار پر تقریر کرتے ہوئے اور پھر پارلیمنٹ میں اس مطالبہ نامہ کے حوالے سے وزیر اعظم نے فرمایا تھا کہ وہ اعلیٰ سطح پر اس سلسلے میں صلاح و مشورہ کریں گے لیکن پھر کشمیر کا جھگڑا شروع ہو گیا وہ اُدھر مصروف ہو گئے ستمبر میں تو باقاعدہ لڑائی چھڑ گئی انجمن کے منصوبے یونہی رہ گئے اب معاہدہ تاشقند کے بعد حالات خوشگوار ہوئے تو از سر نو اردو کے مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے دلی کی فضا اردو کے لیے بہت سازگار ہے۔ دلی کارپوریشن کی دوسری تسلیم شدہ زبان اردو ہے سابق دلی اسٹیٹ اسمبلی نے متفقہ طور پر اردو کو ثانوی علاقائی حیثیت دی تھی۔ دلی میں آج بھی اردو کے چھپنے والے اخبار و رسائل کی تعداد سب سے زیادہ ہے دلی والوں کے علاوہ پنجاب سے آئے ہوئے لوگوں کی غالب اکثریت اردو لکھتی پڑھتی اور اردو میں کاروبار کرتی ہے۔ اب اردو تحریک کے سلسلے میں ایک کانفرنس بلانے کی تجویز پر ہم غور کر رہے ہیں تاکہ اردو دوستوں کو جو پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں اکٹھا کر کے اردو کے لیے پھر متفقہ طور پر مطالبہ نامہ مرکزی حکومت کے سامنے پیش کریں۔

اردو تحریک کے آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ ہماری علمی، ادبی سرگرمیاں بھی جاری ہیں ہمارا سہ ماہی رسالہ "صبح" جو ۱۹۶۱ء سے نکل رہا ہے اگست ۱۹۶۵ء سے ماہانہ کر دیا گیا اس کے علاوہ "صبح" کا ایک خاص نمبر پنڈت جواہر لال نہرو مرحوم پر نکالنے کا ارادہ ہے۔

علامہ کیفی کی نظم کا انتخاب بھی آئندہ سال ان کی نوے سالہ سالگرہ پر پیش کرنے کی تیاری ہماری ادبی کمیٹی کر رہی ہے۔ تلوک چند محروم پر ایک کتاب نکالنے کا پروگرام بھی ہے اور ادبی نشستوں کے علاوہ انجمن نے محروم صاحب کے لیے تعزیتی جلسہ بھی کیا اور حسب معمول "یوم غالب" اور مولانا آزاد کے مزار پر قرآن خوانی اور ان کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جلسہ بھی کیا۔

اس سال بھی حکومت دلی کے دو ہزار کے علاوہ جناب مصطفیٰ رشید شیروانی صاحب نے گرانقدر عطیہ دیا یوم غالب پر بھی غالب کے شیدائیوں نے حسب معمول عطیات دئے اور ہمیں امید ہے کہ اردو دوست اور ادب نواز حضرات ہماری مدد کریں گے تاکہ ان کے تعاون سے ہم اپنے علمی، ادبی پروگرام کو بخوبی چلا سکیں، اور اردو کے لیے جدوجہد کو تیز کر سکیں۔

(ایک نامہ نگار)

جامی کے ساتھ ایک شام

حیدرآباد دکن میں ۲۱ اپریل ۶۶ء کی شام "رنگ رنگ کلا اکیڈمی" کے زیر اہتمام ہند و پاک کے ممتاز شاعر جناب خورشید احمد جامی کی شعری و ادبی خدمات کے اعتراف میں ایک ادبی اجلاس اور کلچرل پروگرام "جامی کے ساتھ ایک شام" کے زیر عنوان نواب میر یٰسین علی خاں کی صدارت میں منعقد ہوا۔ میر عابد علی خاں ایڈیٹر سیاست نے افتتاحی تقریر کرتے ہوئے جامی اور اکیڈمی کو مبارکباد دی۔ غیاث صدیقی معتمد اکیڈمی نے تقریب کے مہمان خصوصی جناب جامی کی گلپوشی کرتے ہوئے ان کی خدمات کی ستائش کی جواں سال شاعر نقی علی خاں ثاقب نے "جامی، شعور فن کا نیا سویرا" کے زیر عنوان ایک مضمون پڑھا۔ وقار خلیل اور رئیس اختر صاحبان نے نظموں کے ذریعہ جامی کی شعری شخصیت کو خراج تحسین ادا کیا۔

صدر جلسہ یٰسین علی خاں نے کہا کہ "جامی کا نام دور حاضر کے ان چند ممتاز شعراء میں شامل ہے جنھوں نے غزل کو نیا رنگ اور آہنگ دیا ہے اور صنف غزل میں بہت جلد انفرادیت پیدا کر لی ہے۔" جناب جامی نے تمام حضرات کا شکریہ ادا کیا اور اپنا تازہ کلام سنایا۔ اس یادگار تقریب میں موسیقاروں نے جامی صاحب کا کلام ساز کے ساتھ پیش کیا۔ "رنگ رنگ کلا اکیڈمی" کے معتمد عمومی غیاث صدیقی صاحب کے شکریے پر یہ محفل اختتام کو پہنچی۔

(ابن نامی)

تبصرے

اطہر پرویز

نام کتاب: بہادر شاہ ظفر (ڈراما)
مصنف: منجو قمر دہلوی
ناشر: نگاہ پبلیکیشنز، بیگم بازار حیدرآباد ۱۲
قیمت: ۵۶ء۲

اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں "اردو ناٹک" کی تاریخ کا مختصر طور پر جائزہ لیا گیا ہے، دوسرا حصہ اصل ڈرامے پر مشتمل ہے۔

"اردو ناٹک کا جائزہ" ۱۰ صفحات پر مشتمل ہے اور بڑی محنت سے لکھا گیا ہے اور اس امر کا متقاضی ہے کہ مصنف کی نظر ثانی کے بعد اسے ڈرامے سے علیحدہ کرکے شائع کیا جائے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اگر اس جائزے کے چند اہم نکات کی جانب اشارہ کر دیا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔

مصنف نے لکھا ہے کہ "اردو ناٹک کا آغاز ۱۸۵۳ء میں نواب واجد علی شاہ کے رنگین دور میں ہوا۔" یہ خیال آج پرانا سمجھا جاتا ہے۔ نئی تحقیق کی روشنی میں چند سال پہلے ڈاکٹر عبدالعلیم نامی نے تھیٹر کے موضوع پر اردو میں اپنا تحقیقی مقالہ تیار کیا، جس پر بمبئی یونیورسٹی نے موصوف کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازا۔ یہ بات بے محل نہ ہوگی اگر میں عرض کروں کہ ہندوستان میں تھیٹر کے موضوع پر پہلی ڈاکٹریٹ اسی اردو مقالے پر دی گئی۔ ڈاکٹر عبدالعلیم نامی کی تحقیقات کے مطابق پرتگالیوں نے عیسائی مذہب کی تبلیغ کے لیے سب سے پہلے "تماشے" کے نام سے ایک سلسلہ شروع کیا۔ اس کے بعد انگریزوں نے ۱۷۵۰ء میں "بمبئی تھیٹر" کی بنیاد ڈالی۔ یہ تھیٹر ۱۸۰۰ء تک چلنے کے بعد بند ہوا۔ لیکن ۱۸۴۶ء میں دوبارہ ایک نئے "بمبئی تھیٹر" کا اجرا ہوا۔ اس کا سہرا جگن ناتھ شنکر سیٹھ کے سر ہے۔ ۲۶ نومبر ۱۸۵۳ء کو ڈاکٹر لاڈ نے راجا گوپی چند، اور جلندھر" نامی تماشا اسی تھیٹر میں دکھایا۔ اس کے بعد اردو تھیٹر کے کام کو آگے بڑھانے میں پارسیوں نے جی کھول کر حصہ لیا اور اپنا پہلا اردو ڈراما ۸ فروری ۱۸۵۴ء کو "نیم حکیم اور قتل عام" اسٹیج کیا۔ اس طرح جب کہ لکھنؤ میں واجد علی شاہ خود ڈرامے تیار کر رہے تھے تو بمبئی میں یہ سلسلہ بڑے پیمانے پر بڑے زور شور سے شروع ہو چکا تھا، البتہ اس کا ذکر شمالی ہندوستان میں اس لیے بھی نہ ہو سکا کہ بمبئی اردو کے مرکز سے دور تھا۔ اس کے علاوہ تھیٹر اور ناٹک کو ادب میں کوئی حیثیت حاصل نہ تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ "اردو ناٹک" کے موضوع پر کچھ لکھتے وقت ڈاکٹر نامی کے کام کو نظر کے سامنے رکھنے سے یقیناً سہولت ہوگی۔ اور بعض غلطیوں کے دور ہونے کا امکان بھی ہوگا۔

جہاں تک "شکنتلا" کے ترجمے کا تعلق ہے۔ اس کا پہلا ترجمہ فرخ سیر کے عہد میں ہو چکا تھا۔ البتہ یہ ڈراما اردو اسٹیج پر نہ آ سکا تھا اور منجو قمر دہلوی نے بجا طور پر نارائن پرشاد بے تاب بنارسی کے ناٹک کی تعریف کی ہے۔ اگر موصوف اس جائزے میں اور رنگ بھر دیں تو اردو ناٹک کی تصویر واضح طور پر سامنے آ جائے گی۔ یہ اچھی بات ہے کہ مصنف، ڈرامے کے آداب سے واقف ہیں۔ انھیں موسیقی سے بھی غیر معمولی لگاؤ معلوم ہوتا ہے، جس کا ثبوت اس کتاب میں جا بجا ملتا ہے۔

ڈراما سے غیر معمولی دلچسپی ہی نے آپ سے یہ ڈراما "بہادر شاہ ظفر" لکھوایا۔ یہ ڈراما تین ابواب پر مشتمل ہے، جن "کشمکش اور یاس"۔۔۔ اور ہر باب میں تین تین مناظر ہیں۔ ڈرامے کے شروع میں افراد تمثیل کے حلیے اور ان کے لباس کی تفصیل دی گئی ہے جو اسٹیج کرتے وقت کارآمد ثابت ہوگی۔

ڈرامے کی زبان اچھی ہے اور سند کے لیے عالی جناب پروفیسر آغا حیدر حسن دہلوی کا یہ جملہ کافی ہے کہ "مکالمہ بھی لال قلعہ کی ٹھیٹھ بولی میں ہے، جو مغلیہ معاشرے کا رنگ ہے، وہ بھی خوب چوکھا آیا ہے۔"

مکالمے بے حد چست ہیں۔ جس وقت بہادر شاہ، ہڈسن کے سامنے اپنی شکست تسلیم کرتے ہیں تو ان کا یہ جملہ کہ "ٹھیک ہے تقدیر جب تدبیر کی جنسی اڑا چکی تو پھر کیوں نہ تقدیر کا ساتھ دیں۔" یا پھر جب شہزادوں کے سر خوان پوش میں پیش کیے جاتے ہیں تو ڈراما نگار کی صلاحیت اور ابھر کر سامنے آتی ہے اور بہادر شاہ کہتے ہیں: "تاریخ شاہد ہے کہ شاہی خاندان میں ایسے مناظر اکثر دیکھنے میں آئے ہیں کہ تیمور کی اولاد اسی طرح سرخرو ہو کر میدان جنگ میں باپ کے سامنے آیا کرتی تھی۔ یہ ظفر کی خوش نصیبی ہے کہ آج اس کی اولاد نے بھی وطن کی آزادی کے لیے اپنے سروں کو کٹا یا اور سرخرو ہو کر۔"

غرض یہ ڈراما خوبصورت مکالموں سے بھرا ہوا ہے جس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ خاص طور پر اسٹیج پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اسٹیج کرتے وقت اس میں شاید کچھ کتر بیونت کرنی پڑے۔ مثلاً اس عظیم المیے کے بعد شہزادی رابعہ کی شادی، باورچی گھنگھرو کے ساتھ کچھ عجیب سی لگتی ہے۔ یہاں مجھے تاریخ سے سروکار نہیں، البتہ اس سے ڈرامے کے المیے کا زور کچھ کم ہوتا ہے اور ٹریجڈی کے تقدس پر حرف آتا ہے۔

اسی طرح سبعہ، شرچند، روس اور آزاد ہند فوج کا ذکر بھی بلا وجہ زائد معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ ناٹک صحیح معنوں میں پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔ ڈرامے میں لطیف حکایات در از نہیں کی جاتی اور میں سمجھتا ہوں کہ ڈراما نگار کو بھی مجھ سے زیادہ اس بات کا احساس ہوگا۔

مجموعی طور پر "بہادر شاہ ظفر" ایک اچھا ڈراما ہے اور آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی بجا طور پر مبارکباد کی مستحق ہے کہ جس نے انعام دے کر اس کے اچھے ہونے پر اپنی مہر بھی لگا دی۔

٭٭٭٭٭

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) [illegible] سکریٹری [illegible] ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپا یا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔